New Era Magazine
NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
میرے رہبر
از علینہ شاہد
www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے رہبر

از علینہ شاہد

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

اس نے موت کو بلکل اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کیا تھا. دہشت سے اس کی سانسیں اس کے حلق میں اٹک گئی تھیں. وہ شش و پنج میں مبتلا تھا نہ سانس لے پاتا تھا، نہ جان نکل پاتی تھی. خوف کے مارے اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی ہو گئی تھیں. وہ چلانا چاہتا تھا....وہ وہاں سے

بھاگ جانا چاہتا تھا....وہ مرنا نہیں چاہتا تھا...وہ مرنا نہیں چاہتا تھا...وہ ابھی اور جینا چاہتا تھا۔

کمرے میں نیم تاریکی کے بعد بھی وہ اس شخص کو اچھی طرح پہچانتا تھا کہ وہ کون تھا؟ وہ اس سے ملنے کیوں آتا تھا؟ وہ اس سے کیا چاہتا تھا؟

"دنیا میں انسان دو لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا ایک وہ جس نے آپ کو حد سے بڑھ کر اذیت دی ہو اور دوسرا وہ جس سے آپ نے سب سے زیادہ محبت کی ہو۔"

تم زندگی سے کیوں گھبراتے ہو؟ اس کے کانوں میں دور سے اس کی آواز آئی تھی۔

زندگی خواب دکھاتی ہے...اس کے دل سے یہ آواز آئی البتہ لفظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہوئے تھے۔

تو پھر موت سے کیوں ڈرتے ہو؟یوں لگتا تھا کہ اس نے اس کا جواب سن لیا اور اس نے اپنی سرخ پڑتی آنکھوں سے اب اگلا سوال پوچھا تھا۔

موت سے سب ڈرتے ہیں...وہ خوف اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات سے بولا۔

ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری ہوئی تھی۔

موت سے وہ ڈرتے ہیں جو گناہ کرتے ہیں...تم نے گناہ کیا ہے. جس کے لئے میں تمہیں قیامت تک معاف نہیں کروں گا. وہ زور سے دھاڑا تھا۔

میں نے کوئی گناہ نہیں کیا...میں نے تمہیں نہیں مارا...

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں نے تمہیں نہیں مارا...اس کی آواز میں بے بسی تھی...

اگلے ہی لمحوں میں وہ سایہ دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

* **********

شام کے سائے ڈھلنے لگے تو ٹھنڈی ٹھار برف جیسی سردی بھی بڑھنے لگی.

جیسے جیسے رات اندھیر ہوئی توان کا دل بھی تاریکی میں ڈوبنے لگا. اس کمرے کا موسم باہر کے موسم سے کافی گرم تھا. انھوں نے کمرے کا ہیٹر آن کر رکھا تھا. کمرے کے

کونے پر رکھا ہوا کانچ کا خوبصورت لیمپ جس کی جلتی ہوئی ہلکی جامنی روشنی انھیں تقویت دے رہی تھی۔

کمرے کے کونے میں شاہ بلوط کے درخت کی لکڑی سے تیار کردہ عمدہ راکنگ چیئر رکھی تھی جو کافی اونچی اور کسی شاہی محل میں رکھی ہوئی کرسی جیسی خوبصورت تھی جو آہستہ آہستہ جھول رہی تھی، یقیناً وہ ابھی وہیں سے اٹھے تھے۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی. بلکل ویسی خاموشی جو طوفان سے پہلے ہوتی ہے، وہی خاموشی جو رات کی تاریکی میں ہوتی ہے، وہی خاموشی جو بولنے سے پہلے ہوتی ہے اور وہی خاموشی جو موت کے بعد ہوتی ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ملک صاحب اس وقت سادہ سے شلوار قمیض میں ملبوث اپنے وسیع و عریض کمرے کی قد آور کھڑکیوں کے پاس کھڑے تھے. بند شیشوں میں بھی وہ اس پار دیکھ سکتے تھے جہاں اونچے اونچے درختوں کے سائے انھیں ہلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے. ان کی نظر یونہی رینگتی ہوئی

سامنے بنے پارک کے سامنے ٹھہر گئی۔دن کی روشنی میں چمکنے والا یہ خوبصورت پارک اندھیر نگری بنا ہوا تھا۔ جبھی ان کے تسلسل سوچ میں ڈوبے چہرے کے سامنے اس کا چہرہ لہرایا۔درخت کے سائے میں اس حسین لڑکی کا چہرہ بننے لگا تھا۔یہ وہ ضدی، مغرور اور انا پرست لڑکی نہیں تھی۔یہ تو کوئی پیاری سی، معصوم سی اور سکون سے رہنے والی چھوٹی سی بچی تھی جو شاید کچھ دن کی معلوم ہوتی تھی۔

وہ ان کی گود میں تھی اور انھوں نے اسے اپنے سینے

سے لگایا ہوا تھا۔شاید یہ اس کی ماں سے بچھڑ جانے کے بعد کا منظر تھا۔

پھر اگلے ہی لمحے ان کے سامنے تقریباً ایک سال کی بچی کا چہرہ آیا۔یہ وہی بچی تھی بس قد بڑھ گیا تھا، چھوٹے سے بلاؤز کے ساتھ لال رنگ کا شرارہ پہنے، بالوں میں دو پونیاں باندھے، قدم قدم ان کی طرف دوڑتی آ رہی تھی۔

ان کے کانوں میں اس کی ہنسی گونجی تھی۔انھوں نے اس پیاری اور معصوم بچی کو گود میں اٹھایا اور اس کے گال باری باری چومے۔

اب وہ بچی انھیں پانچ سال کی نظر آئی جو گارڈن میں اداس اور تنہا بیٹھی تھی۔ملازمہ

نے اس کے سامنے نا جانے کتنی ہی چیزیں رکھی تھیں مگر وہ بضد تھی کہ ڈیڈ آئیں گے تو ہی وہ ان چیزوں میں سے کچھ کھائے گی۔

ان کو یاد تھا کہ ان کے آفس سے آتے ہی اس نے دور سے انھیں دیکھ کر دوڑ لگائی تھی. انھوں نے اس پانچ سال کی بچی کو اپنی گود میں بھر لیا تھا۔

ڈیڈ... میں نے اب تک کچھ نہیں کھایا... اس کے چہرے پر صرف اور صرف معصومیت تھی۔

کیوں بیٹا؟ دنیا کو اپنے گھٹنوں پر لانے والے س پچ ی کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔

مجھے کھانا آپ کے ساتھ کھانا ہے.. وہ بڑی بڑی پلکیں

جھپکا کر بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئے۔

ڈیڈ.. اللہ تعالی نے مجھے مما کیوں نہیں دی؟ میں بہت اکیلی ہوں... سب بچوں کی مما کھانا کھلاتی ہیں اور..

مجھے زرینہ بی کے گندے ہاتھوں سے بنا ہوا کھانا کھانا پڑتا ہے. اس نے اپنی ملازمہ کا نام

لیا تھا۔اس کی بھوری

آنکھیں روئی تھیں. موٹے موٹے آنسوؤں کی رم جھم نے اس کا سنہری رنگت والا چہرہ گیلا کر دیا تھا۔

انھوں نے اس کے آنسو پونچھے اور اسے گلے سے لگایا اور اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔

موبائل کی گھنٹی سے یکدم ہی ان کی آنکھوں کے سامنے لہرانے والا ماضی دھندلانے لگا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انھوں نے گردن موڑی تو بیڈ پر ان کا موبائل بج رہا تھا۔

وہ قدم قدم بڑھتے ہوئے بیڈ تک آئے اور موبائل اپنے ہاتھ میں تھاما۔

Z.S calling....

ان کا پورا وجود یکدم ہی شل پڑنے لگا. انھیں اس گرم کمرے میں ٹھنڈے پسینے آئے تھے. وہ پتھر کا مجسمہ بنے اس نام کو دھرائے جا رہے تھے. یہ کون تھا جس سے انھیں اتنا خوف آیا تھا؟

تھوڑی ہی دیر میں کمرے میں وہی سناٹا چھا گیا. ان کے سانس لینے کی آواز بھی اب سنائی نہیں دیتی تھی. ان کے دل و دماغ میں خوف کے گھنٹے بجنے لگے تھے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پھر سے موبائل نے شور مچایا تو ان کے دل کی دھڑکنیں بڑھ گئیں. انھوں نے ڈھیر ساری ہمت جمع کر کے موبائل آنکھوں کے سامنے کیا۔ پرویز کالنگ۔۔۔۔۔

پہلے والی گھبراہٹ آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی. انھوں نے ایک گہری سانس لی پھر کال پک کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

کیا ہوا پرویز؟ اتنی رات کو کال کی ہے؟ سب ٹھیک ہے؟ وہ نارمل سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

کچھ لمحوں تک یونہی خاموشی رہی شاید وہ کچھ بتا رہا تھا۔

اچھا.. پھر؟ ان کی تیوریوں میں بل آئے تھے۔

پھر لمبی خاموشی رہی... نا جانے کیا بات ہو رہی تھی؟ جاپان کا دورہ؟ وہ مبہوت لہجے میں بولے۔

نامیں جاپان جاناچاہتاہوں...نامیں کسی کو بھیجوں گا. یہ فارم فل کرنے کی ضرورت نہیں. وہ سپاٹ سے لہجے میں بولے اور لائن کٹ کردی. انھوں نے موبائل کو بیڈ پر تقریباً پٹخا تھا۔

وہ پہلے ہی ایک ٹینشن میں مبتلا تھے اور اب وہ مزید ایک نئی پریشانی کو سر نہیں لینا چاہتے تھے

مگر کون جانے کہ یہ جاپان کا دورہ کس کا انتظار کر رہا تھا؟ کون جانے کہ سمندروں پار اس جاپان میں کیا راز تھا؟ کون جانے کہ شاید ان کا ماضی بھی جاپان سے جڑا ہو؟ کون جانے؟؟؟؟

****

اس کی بلیک مرسیڈیز یونیورسٹی میں آکر رکی.

یونیورسٹی پوائنٹس ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی بلیک مرسیڈیز میں ہی آتی تھی. ٹرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا تو وہ جو شہزادی سی بنی بیٹھی تھی فوراً ہی گاڑی سے اتر گئی۔

علی شاہ! گاڑی یہیں چھوڑ دو میں خود ڈرائیو کر کے آجاؤں گی. اس نے اپنے ڈرائیور پر حکم صادر کیا۔

مگر بی بی صاحب نے تو۔۔۔۔۔۔

میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرو. اس کی آواز میں رعب تھا۔ جیسا آپ کا حکم.... ڈرائیور نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال

دیئے تھے. وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ بھی کہے مگر بی بی نے کرنی تو اپنی ہی ہے۔

اس نے گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے

چابی پکڑی اور ہلکا سا مسکرائی گویا اسے جانے کا اشارہ کیا ہو۔

اس نے پورے ایک منٹ تک ڈرائیور کو جاتے دیکھا پھر وہ اپنی منزل کی جانب مڑھ گئی۔

رزلٹ-رزلٹ-رزلٹ.۔۔۔۔۔اس کے ہوش و حواس پر

سوار تھا. وہ تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھنے لگی. آج اس کے فائنل ائیر کا رزلٹ آنا تھا.

یہ وہ دن تھا جس کا اس کو شدت سے انتظار تھا۔ وہ جس نے بچپن سے لے کر اپنے سر پر ٹاپر کا ریکارڈ سجا رکھا تھا وہ آج بھی ایک ریکارڈ بنانے جا رہی تھی.

اس نے زندگی میں جس چیز کی خواہش کی تھی وہ اسے تھالی میں رکھ کر پیش کی گئی تھی. قدرت اس پر ہمیشہ سے مہربان رہی تھی. اسے اپنی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں لگتی تھی. اس کی زندگی بلکل پرفیکٹ تھی یہاں تک کہ اس کے فرینڈز اس پر رشک کرتے تھے. اللہ نے اسے حسن کی دولت سے نوازہ تھا اور اس پر اس کی مغرور ناک۔

آج اس نے بلیک رنگ کا ڈیزائنر سوٹ پہنا تھا. اس پر اس کے سیدھے سلکی بال جس کو اس نے اونچی پونی میں

باندھ رکھا تھا. اس کا قد ذرا لمبا تھا وہ اسمارٹ سی لڑکی پورے ڈیپارٹمنٹ کی توجہ کا مرکز ہوا کرتی تھی۔

ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی رفتار سست

ہو گئی تھی. اسٹوڈنٹس کو اپنے آپ پر لاکھ بھروسہ ہو مگر رزلٹ والے دن خوف ضرور آتا ہے۔

اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب تب ہوئیں جب اس نے ڈیپارٹمنٹ میں اسٹوڈنٹس کا ہجوم دیکھا جو ٹولیاں بنائے نوٹس بورڈ کے سامنے کھڑے تھے. اس نے ایک سرسری نگاہ سب پر ڈالی اور تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی نوٹس بورڈ کے سامنے آ گئی. اس نے اپنی شہادت کی انگلی لسٹ پر سب سے اوپر لے جا کر رکھی۔

زاویار سکندر!!

اس نے ایک بار نہیں کئی بار یہ نام زیرِ لب دھرایا. حیرانی کے جھٹکے، بے یقینی کا عالم اور سائیں سائیں کرتے لوگ۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے لسٹ میں اپنا ڈھونڈا۔

علایا ملک! سیکنڈ پوزیشن۔۔۔۔۔

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی. اپنے ارد گرد کلاس فیلوز کو دیکھ کر اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس پر ہنس رہے ہوں. وہ جو ہمیشہ سے اول نمبر پر رہی تھی آج قسمت نے اسے دوسرے نمبر پر آنے کا شرف بخشا تھا۔

"اگر قسمت انسان کو بادشاہ بناتی ہے نا تو اگلے لمحے اسے فقیری بھی دکھا دیتی ہے۔"

علایا جو غصے سے بے قابو ہو رہی تھی چند لمحوں میں ڈیپاٹمنٹ سے باہر آ گئی۔اس نے اپنے قدموں کا رخ کیفے ٹیریا کی طرف موڑ لیا۔اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں اور دل میں اتنا شور تھا کہ وہ سب کو یہ شور سنا دینا چاہتی تھی۔

اس کے نزدیک یہ اس کی پہلی شکست تھی۔

کیفے ٹیریا میں پہنچ کر اس نے یہاں وہاں نگاہ دوڑائی تو وہ اسے نظر آ گیا۔علایا جانتی تھی کہ وہ اس وقت اپنے دوستوں کے ہمراہ کیفے میں موجود ہوتا ہے۔آخر اسے یونی میں چار سال ہو گئے تھے۔

اس نے زاویار کو دیکھا اور تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی اس کے مدمقابل آ کر کھڑی ہو گئی۔

زاویار جو کرسی پر براجمان تھا۔اس نے اپنی گہری سنہری آنکھوں سے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

وہ علایا کو اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کس حد تک ایک بالادستی چاہنے والی کم ظرف لڑکی ہے۔

زاویار اور علایا ہمیشہ سے ہی ایک دوسرے کے مخالف رہے تھے۔

علایا کو اپنے سامنے کھڑا پا کر زاویار اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔

کر سورس لگوائی ہے؟ علایا کے اس کتنے پیسے دے جملے سے زاویار کو حیرت کے جھٹکے جیسے غصہ آیا what do you mean? لگے۔پیسے..سورس..زاویار کو تھا۔۔۔

اوہ سوری..ویسے تمہاری اتنی حیثیت تو ہے نہیں کہ تم کسی کو خرید سکو.وہ تپا دینے والے انداز میں بولی۔تم سے یہ ہی امید تھی.خرید و فروخت کا کاروبار تم امیر لوگ ہی کر سکتے ہو.میری تو واقعی کوئی حیثیت نہیں ہے.زاویار کو علایا پر شدید غصہ آنے لگا تھا۔ا

شٹ اپ...میں سب جانتی ہوں کہ تم نے کیسے ٹیچرز کے آگے پیچھے گھوم گھوم کہ اور ان کی چاپلوسیاں کر کے اپنے نمبرز بڑھائے ہیں۔

اس بار علایا کی آواز تیز تھی اتنی کہ آس پاس کے لوگوں نے مڑھ کر اسے دیکھا.زاویار کے دوست بھی ٹیبل سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تم اپنی حد میں رہو علایا.زاویار نے انگلی کے اشارے سے اسے تنبیہ کی۔

اور اگر تم دوسرے نمبر پر آنے کو اپنی ہار سمجھ رہی ہو تو اپنی ہار کو قبول کرو. اس نے ہار پر زور دیا تھا۔ ہار تو میں نے کبھی نہیں مانی زاویار. دو منٹ، صرف دو منٹ نہیں لگیں گے، تمہاری ڈگری ختم کروادوں گی۔ اس نے چٹکی بجاتے ہوئے اسے وارن کیا تھا۔

زاویار نے گردن موڑ کر آس پاس دیکھا تو سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"دولت کا غرور اور طاقت کا نشہ بول رہا ہے یہ سب، مگر یاد رہے علایا کہ یہ دو وہ چیزیں ہیں جس نے انسان سے کبھی وفا نہیں کی۔"

اس کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ تھی۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور مجھے دھمکانے کے بجائے اپنی پڑھائی پر توجہ دو...

اگر تھوڑی اور محنت کر لی ہوتی تو آج یہاں... میرے

سامنے نہ کھڑی ہوتیں. وہ معصوم سی شکل بنا کر اسے تپانے والے انداز میں بولا تھا۔

زاویار کے اس جملے پر اس کے دوست بھی ہنس پڑے۔

علایا ملک کے وجود میں غصے کی لہر دوڑ گئی تھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی زاویار اس کی بکواس سننے رکا نہیں اس نے کرسی سے اپنا بیگ اٹھایا، ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

..اونہہ۔۔۔۔۔۔۔

Grades conscious

یک لفظ کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے دوستوں کے ہمراہ باہر آ گیا۔

کہتے ہیں کہ اگر پہلی شکست سے کچھ سیکھ لیا جائے"

"تو وہ کامیابی کا زینہ بن جاتی ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

* * * * * * *

ملک صاحب پچپن سال کے ادھیڑ عمر آدمی تھے. چہرے اور سر کے بال ہلکے ہلکے سفید تھے، چہرے پر بے جا رعب اور صحت کے لحاظ سے وہ کافی تندرست تھے.

ملک صاحب اپنے آفس کے کشادہ سے کمرے میں بیٹھے تھے. انھوں نے اپنے کمرے میں نیم تاریکی کر رکھی

تھی. آج ان کے کام کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا. وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے تھے۔

"انسان جب کبھی تنہائی میں بیٹھا ہو تو یقیناً یا تو وہ اپنے ماضی میں کھویا ہوتا ہے یا مستقبل کی پلیننگ کر رہا ہوتا ہے وہ حال میں ہونے کے باوجود بھی حال کی فکر سے آزاد ہوتا ہے. یہ ہی تو انسان کی سب سے بڑی

غفلت ہے کہ وہ حال میں جینے کہ بجائے مستقبل کی پرواہ کرتا ہے۔"

ملک صاحب کراچی جیسے بڑے شہر کی ایک جانی مانی شخصیت سمجھے جاتے تھے. ان کی ذہانت ان کی سب سے بڑی کامیابی تھی اور یہی کامیابی ان کی سب سے بڑی طاقت تھی. وہ ملک آف انڈسٹریز کے مالک اور اکیلے وارث تھے. ویسے تو اللہ تعالی اس خاندان پر شروع سے ہی مہربان رہے تھے. انھیں ہر چیز پلیٹ میں سجی سجائی مل گئی تھی، لیکن کہتے ہیں نا کہ انسان خواہشات کا ڈھیر ہے۔

بزنس میں خوب ترقی کے بعد انھوں نے سیاست میں بھی اپنے قدم مضبوط کر لئے تھے. انھیں سیاست میں ہمیشہ سے ہی دلچسپی رہی تھی. اپنی ذہانت کی بنا پر وہ بہت جلد ہی شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے تھے اور اب ان کا نام منجھے ہوئے سیاست دانوں میں گنا جاتا تھا۔

"اور سیاست تو ہے ہی کھیل شطرنج۔"

بقول ان کے رقیبوں اور دوستوں کے اس خاندان نے جو چاہا تھا وہ ہمیشہ پایا تھا لیکن جو نظر آتا ہے ویسا کبھی نہیں ہوتا. جب تک دوسرے اپنی تکلیفیں ہم پر عیاں نہیں کر دیتے تب تک ان کی زندگی ہمیں پرفیکٹ ہی نظر آتی ہے۔

ملک صاحب اپنے آفس میں اکثر بیٹھے بیٹھے کھو جاتے، وہ اپنے کام سے جلد اکتا جاتے اور گھر جلدی چلے آتے.

یہاں آکر انھیں زندگی کی ایک آس ملتی تھی. وہ علایا کو دیکھ دیکھ کر جیتے۔

علایا کے ان کی زندگی میں آنے کے بعد جیسے ان کی زندگی مکمل ہو گئی تھی. علایا سے ان کی محبت شدید تھی جس نے علایا کو خود سر، انا پرست اور ضدی بنا دیا تھا.

ملک صاحب نے اس کے بچپن سے لے کر آج تک اس کی ہر خواہش کی تکمیل کی تھی اور اگر اس کی کوئی خواہش پوری کرنے میں انھیں ذرا سی بھی دیری ہو جاتی تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتی۔

علایا کی بائیس سالہ زندگی میں ایسی کوئی خواہش نہیں تھی جو پوری نہ کی گئی ہو. علایا سے ان کی محبت اس

لئے بھی شدید تھی کہ ان کی اور کوئی اولاد نہ تھی تو علایا ہی ان کی محبت کی اکلوتی حقدار تھی۔

ملک صاحب جانتے تھے کہ وہ کس حد تک جذباتی ہو گئی ہے اور کبھی کبھی تو ان کو اس کے جذباتی پن سے خوف بھی آتا تھا. وہ دوسروں کو اپنے پیر کی جوتی بھی نہیں سمجھتی تھی۔

ملک صاحب جو اپنے خیالوں میں گم تھے کسی خیال کے تحت جیسے حال میں واپس آئے. انھوں نے فوراً ہی ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا اور علایا کا نمبر ملایا۔

یکے بعد دیگرے وہ کال پر کال ملائے جا رہے تھے مگر دوسری جانب سے وہی دھاک کے تین پات. ان کی کال موصول نہیں کی جا رہی تھی. کافی دیر بعد جب علایا کی آواز ان کے کان سے ٹکرائی تو انھوں نے سکون کا سانس

لیا۔

کین یو بیلیواٹ؟آپ کی بیٹی علایا ملک (can you believe it)ڈیڈی!!

دوسرے نمبر پر آئی ہے. میرا برسوں کا ریکارڈ ٹوٹ گیا. اس کی آواز سے ہی وہ اندازہ کر

سکتے تھے کہ علایا میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

تو کیا ہوا علایا ریکارڈ تو بنتے ہی ٹوٹنے کے لئے ہیں.

ملک صاحب نے ایک گہری آہ بھرتے ہوئے کہا۔*********

وہ جو گاڑی میں بیٹھی گاڑی پاگلوں کی طرح یہاں سے وہاں گھما رہی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس کا اکیڈمک ریکارڈ بریک کر سکتا ہے، کوئی اس سے آگے بھی نکل سکتا ہے. اسے رہ رہ کر زاویار سے ہونے والی گفتگو یاد آ رہی تھی۔

اس نے جھٹکے سے بریک مارا. اس کو محسوس ہوا کوئی چیز اس کی گاڑی کے نیچے آئی ہے.

اس نے کار کا دروازہ کھولا اور فوراً گاڑی سے اتری۔

ایک چھوٹا سا بلی کا بچہ اس کی گاڑی کے نیچے خون میں لت پت بے جان پڑا تھا۔

بلاڈی فول۔۔۔۔۔۔(bloody fool)

اس نے بے حد اکتائے ہوئے لہجے میں کہا اور واپس گاڑی میں بیٹھ گئی۔

بے مقصد گاڑی یہاں وہاں گھمانے کے بعد اس نے گاڑی اپنے گھر کے رستے میں ڈال دی. اگلے بیس منٹوں میں وہ اپنے اس خوبصورت محل میں موجود تھی جس کی وہ

شہزادی تھی. اپنے وسیع و عریض کمرے میں آکر وہ اپنے بیڈ پر لیٹ گئی. کمرے میں موجود ہر شے چیخ چیخ کر اپنی قیمت کا احساس دلاتی تھی. وہ کوئی معمولی شے استعمال نہیں کرتی تھی. اس کی الماری میں مختلف برینڈز کے کپڑے موجود تھے جو اس نے ایک بار پہن کر دوبارہ پہننے کی زحمت بھی نہیں کی تھی. کمرے کی بیڈ وال پر خوبصورت فریمز لگے تھے جس میں اس کی اپنی تصویریں لگی تھیں۔

کمرے کے سائیڈ میں خوبصورت ریگ بنے تھے جس پہ اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے تمام میڈلز اور ٹرافیز سجائی ہوئی تھیں۔

وہ بیڈ پر لیٹی مسلسل چھت کو گھور رہی تھی. آج زندگی میں پہلی بار اس نے شکست کو محسوس کیا تھا جو وہ قبول نہیں کر سکتی تھی. اس نے زندگی میں کبھی ہارنا نہیں سیکھا تھا۔

میری جگہ پر آنا اتنا آسان نہیں ہے زاویار. اس کی جگہ پر

آنا واقعی آسان نہیں تھا۔

* * * * * * * * *

یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں لیٹا تھا.

وہ بھی علایا سے ہونے والی گفتگو بھولا نہیں تھا. اسے اس امیر لڑکی پر شدید غصہ آرہا تھا کیونکہ آج اس نے زاویار کی سیلف رسپیکٹ مجروح کی تھی. آج یونی کا لاسٹ دے تھا جسے وہ یادگار بنانا چاہتا تھا مگر علایا نے

اس کا سارا موڈ خراب کر دیا تھا اس لئے وہ جلدی گھر آ گیا۔ ویسے تو اس کا سارا وقت لائبریری میں گزرتا تھا. وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ دوستوں کے ساتھ چلے جاتا۔

زاویار سکندر اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا. یہ لوگ کوئٹہ میں رہائش پذیر تھے. اس کا گھر دو منزلہ بنا ہوا تھا جو چھوٹا مگر خوبصورت تھا. زاویار سکندر کے والد

سکندر احمد دین اور مذہب سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ زاویار کے والدین نے اس کی پرورش اتنے بہترین انداز میں کی تھی کہ انھیں زاویار پر فخر محسوس ہوتا تھا. وہ بچپن سے ہی دوسروں سے ہمدردی کرنے والا اور نمازو

صلٰوہ کا پابند تھا. وہ بچپن سے ہی بڑا ذہین تھا. فارغ وقتوں میں بھی کتابوں کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔

کالج مکمل کرنے کے بعد اس کا اولین مقصد کسی اچھی یونی میں داخلہ لینا تھا. چونکہ کوئٹہ میں تعلیمی ادارے

اتنے خاص نہیں تھے تو اس نے کراچی جیسے بڑے شہر میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

کراچی پہنچ کر اس نے اپنی رہائش کا بندوبست ایک ہاسٹل میں کیا. پورے دو سال ہاسٹل میں رہنے اور وہاں کا بدمزہ کھانا کھانے کے بعد اس کے والد نے اس کے لئے کراچی میں ہی ایک چھوٹا سا فلیٹ خرید لیا۔اس نے اپنے تمام دوستوں کو اپنے بارے میں یہی معلومات فراہم کی تھیں۔

اس کو ہمیشہ سے ہی بزنس میں انٹرسٹ رہا تھا تو اس نے اپنا سبجیکٹ بھی بزنس ہی منتخب کیا. اسے مینجمنٹ کے کام سنبھالنے میں کافی مزہ آتا تھا یونی میں کوئی پروگرام آرگنائیز کرانا ہو تو وہ ہمیشہ آگے ہوتا اس نے یونی میں اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ایک آرگنائیزیشن بنائی تھی جس کا اولین مقصد یتیموں کی مدد کرنا اور مریضوں کا علاج کروانا تھا. وہ ایسا ہی تھا دوسروں پر مہربان، رحم کرنے والا، بہادر اور دیانتدار۔

کاسب سے اچھا دوست احمر تھا جس کے پاس زاویار

اپنی بی ایم ڈبلیو گاڑی تھی. زاویار کی ذہانت سے متاثر ہو کر احمر نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور چونکہ دوستی انسان کے پیسے اور رتبے کے بجائے اس کے اخلاق اور خلوص سے کی جاتی ہے تو زاویار نے

بھی اس کے خلوص کو دیکھتے ہوئے اسکی دوستی قبول کر لی تھی۔

احمر زاویار کے ہر چھوٹے بڑے فیصلے میں اس کا ساتھ دیتا بلکہ اپنی زندگی کے فیصلوں میں بھی زاویار کی رائے کو ترجیح دیتا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آرگنایزیشن بنانے کے فیصلے میں بھی وہ زاویار کے ساتھ آگے آگے تھا. گو کہ احمر میں انسانی ہمدردی کا جذبہ تھا مگر زاویار کے ساتھ رہ کر اس کی یہ انسانی ہمدردی محبت میں بدل گئی تھی. زاویار ایسا ہی تھا جس کے ساتھ ہوتا اسے اپنے سحر میں جکڑ لیتا، اسے پورا بدل دیتا۔*********

دن سے شام اور شام سے رات کب ہوئی اسے پتہ ہی نہیں چلا. اس کی آنکھ کھلی تو وال کلاک نو بجا رہی تھی. وہ جیسے چونک کر اٹھی اتنی دیر تو وہ کبھی نہیں سوئی تھی.

پچیس منٹوں میں وہ نہادھو کر بلکل فریش ۲۵ وہ جلدی سے بیڈ سے نیچے اتری اور اگلے تھی. کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی. اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک خاتون کھڑی تھیں۔

کیاہوا؟اس نے برا سامنہ بنایا تھا۔

صاحب آپ کو بلا رہے ہیں بی بی. ان خاتون ک ی عمر کوئی چالیس برس تھی اور یہ ملک صاحب کی بہت پرانی ملازمہ تھیں۔

آرہی ہوں۔۔۔تم جاؤ۔۔اس نے حقارت بھرے لہجے میں بولا۔

زرینہ بی سے وہ ایسے ہی بات کرتی تھی. ان کا بس چلتا تو کب کا گھر چھوڑ دیتیں مگر ملک صاحب ان کو دگنے پیسے دیتے تھے جس میں ان کو گھر کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ علایا کی بد تمیزیاں بھی برداشت کرنی تھیں.

ویسے تو گھر میں کافی ملازمین موجود تھے مگر ملک

صاحب اپنے زیادہ تر کام زرینہ بی سے ہی کرواتے تھے۔زرینہ بی کو انھوں نے اپنی بیوی کلثوم کے کہنے پر رکھا تھا. کلثوم کے انتقال کے بعد زرینہ بی نے ان کا خاصا

خیال رکھا جس کی وجہ سے انھیں زرینہ بی کی وفاداری پر اعتبار ہو گیا۔

زرینہ بی کے جانے کے بعد وہ کچھ ہی لمحوں میں کمرے سے باہر تھی. جینز کی پینٹ کے ساتھ شورٹ شرٹ پہنے، بالوں کو اونچے جوڑے میں لپیٹے اور پاؤں میں ہائی ہیلز پہنے وہ اپنے محل کی بالائی منزل پر تھی۔

محل کی ہر شے اتنی خوبصورت تھی کہ کوئی عام آنکھیں دیکھیں تو چکا چوند رہ جائیں.

جگہ جگہ خوبصورت

مجسمے، دیواروں پر دلکش تصاویر، محل کے وسط میں لگا ہوا کانچ کا فانوس، ونڈ چائمز اور مصنوعی پودے غرض ہر چیز سلیقے سے سجی ہوئی تھی۔

وہ سیڑھیوں سے اتر کر سیدھا ڈائننگ حال میں آ گئی.

ڈائننگ حال میں بڑی سی کانچ کی ٹیبل کے ساتھ کرسیاں

بھی کانچ کی بنی تھیں. فرش اتنا خوبصورت اور نازک تھا یوں لگتا تھا کہ علایا کی ہیلز سے وہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ ملک صاحب جو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے علایا کو دیکھتے ہی ان کے چہرے پر مسکراہٹ امڈ آئی۔

ڈیڈی!!اس نے ملک صاحب کے گرد اپنے بازو حائل کر دیئے۔

اب کیا چاہیے آپ کو؟ ملک صاحب نے اسے بڑے پیار سے پوچھا۔

ہاہا۔۔۔۔ڈیڈ۔۔یو گاٹ اٹ۔۔۔۔۔

اس نے اپنے بازو ان کے گرد سے ہٹائے اور بلکل ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئ۔

جو مانگوں گی وہ دیں گے؟اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

یہ بتاؤ کہ کیا نہیں دیا تمہیں؟ ملک صاحب نے ٹیبل پر رکھی پلیٹ اپنی طرف کھسکائ۔

کیا کر سکتے ہیں میرے لئے؟اس نے اپنے ہاتھ کو تھوڑی تلے دباتے ہوئے پوچھا۔

ملک صاحب جو ٹرے سے چاول اپنی پلیٹ میں نکال رہے تھے،ان کا ہاتھ وہیں رک گیا.انھوں نے ایک گہری نظر علایا پر ڈالی۔

جان دے سکتا ہوں تمہارے لئے۔

اُفف!!!یہ کہہ کر علایا نے اپنا سر پکڑا تھا۔

ڈیڈی یہ گھسے پٹے ڈائیلاگ فلموں میں اور ڈراموں میں ہی بولے جاتے ہیں.وہ مذاق

اڑاتے ہوئے بولی۔

اب یہ تو کسی کتاب میں نہیں لکھا ویسے. انھوں نے شرارتی انداز میں کہا۔

ڈیڈ!!....میں چاہتی ہوں کہ آپ دوسری شادی کر لیں. وہ تیزی سے بولی۔

کک..کک...کیا..وہ حیرانی سے بولے. لفظ ان کی زبان سے ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔

****

یہ سردیوں کہ دن تھے اور جنوری کا مہینہ تھا. آج موسم صبح سے ہی حسین رہا تھا. آسمان پر کالے بادلوں کا ڈیرہ تھا یوں لگتا تھا کہ کسی بھی وقت برس جائیں گے۔علایا نے جینز کے ساتھ کالے رنگ کی شرٹ پہنی تھی اس کے اوپر اس نے لال رنگ کا لانگ کوٹ لے رکھا تھا.

اپنے سیاہ سلکی بال اس نے سائڈ کی مانگ نکال کر آگے کندھے پر گرا رکھے تھے. ہوا کے جھونکوں سے اس کے بال اس کے چہرے پر جھول رہے تھے. پاؤں میں کالے رنگ کے حسین جو گرز پہنے وہ اپنے محل کے لان میں موجود تھی اور اس حسین موسم کے سحر میں جکڑی وہ

آسمان کو دیکھ رہی تھی. جب ہی موبائل کی گھنٹی نے اس سحر کو توڑا۔

ایمن کالنگ...اس نے فوراً ہی کال پک کر لی تھی۔

میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہی تھی. وہ موبائل کان سے لگاتے ہوئے بولی۔

یاد ہی کرنا، کال نہ کرنا. ایمن نے دبے دبے غصے سے

کہا۔

تمہیں پتہ تو ہے میرا موڈ کتنا خراب تھا. اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

جانتی ہوں. اسی لئے تو تم سے ملنے آئی ہوں۔

کیا مطلب؟ ویٹ.. تم پاکستان آ گئی ہو؟ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

یس میڈم. آپ اپنے محل سے نکلیں تو آپکو اندازہ ہو کہ باہر کون آپ کا انتظار کر رہا

ہے۔

کیا.. تم باہر کھڑی ہو. یہ کہہ کہ اس نے اپنے پیروں کا رخ مین گیٹ کی طرف موڑ لیا۔

وہ تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی باہر آئی تو بلیک رنگ کی اس بڑی سی گاڑی میں اس کی

دوست ایمن بیٹھی تھی۔علایا کسی سے اتنی ملنے جلنے والی نہ تھی مگر یونی میں اس کی چند دو تین ہی دوستیں تھیں.ایمن،ملک

صاحب کے ایک دوست کی بیٹی تھی جو کافی پیسے والے تھے اور علایا نے اس سے دوستی کرتے وقت اس کا حسب نصب ہی دیکھا تھا۔

حسب نصب دیکھ کر تو شادیاں ہوتی ہیں،دوستیاں تو"

"یونہی ہو جایا کرتی ہیں لمحوں میں۔ہیلو سویٹ ی!!

علایا کے باہر آتے ہی وہ گاڑی سے باہر آئی۔

کیسا رہا ور لڈ ٹور؟علایا اس سے گلے مل کر بولی۔

امیز نگ رہا..بہت مزہ آیا.وہ ایک دم ہی خوشی سے بولی۔

باقی باتیں گاڑی میں کریں گے تم جلدی سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔

ایمن نے تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور فوراً سیٹ پر بیٹھ گئ۔

علایا نے چند لمحے سوچا پھر وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گئ.

اس کا موڈ کافی دنوں سے بہت خراب رہا تھا. وہ زاویار سے انتقام کی آگ میں جل رہی تھی. اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی ایمن نے جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔

* * * * * * * * *

تو کیا ہوا یار؟ تم چلاؤ یا میں، بات تو ایک ہی ہے. کافی دیر سے احمر زاویار کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر زاویار کے کان پر جوں بھی نہیں رینگ رہی تھی۔ میں نہیں چلاؤں گا. اس نے اپنی گردن دائیں سے بائیں جانب موڑی۔

وہ دونوں ایک کیفے میں بیٹھے تھے. یونی ختم ہو گئی تھی لیکن ان کا ملنا ختم نہیں ہوا تھا. وہ روز کسی نہ کسی

بہانے مل لیتے تھے اور آج تو موسم بھی کافی حسین تھا۔ زاوی! میرے بھائی. اس میں کیا برائی ہے؟ اس بار احمر نے بڑے پیار سے بولا. احمر زاویار کو پیار سے زاوی کہتا تھا. بقول احمر کے زاویار کافی بڑا نام تھا تو زاوی کہنے سے اس کے کچھ سیکنڈز بچ

جاتے جو اس کے لئے بے حد قیمتی تھے۔

انسان کے پاس جو سب سے قیمتی دولت ہے نا وہ وقت کی دولت ہے. وقت نے ہی تو انسان کو اس کے مختلف کرداروں سے ملوایا ہے. انسان ن ے وقت کے شکنجوں سے گزرتے ہوئے کبھی بچپن کے خوبصورت دن دیکھے، جس میں آس پاس ہر کوئ محبت کرنے والا ہوتا ہے تو کبھی جوانی دیکھی، جس میں لوگوں کی تلخ باتیں اور سرد رویے صدیوں تک کے لئے لوگوں کے ذہنوں پر ایک گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں جو انسان شاید مرتے وقت بھی نہیں بھولتا، پھر لڑکپن جس میں وہ اپنے عزیز رشتوں سے بچھڑنا شروع ہو جاتا ہے، اولاد کا دکھ جھیلتا ہے اور سب سے آخری مہلت وقت کی تب ملتی ہے جب انسان بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تب احساس ہوتا ہے کہ اس نے کیا کھویا اور کیا پایا، وقت کیسا بھی ہو چاہے اچھا یا برا گزر جاتا ہے۔

برائ کچھ نہیں ہے احمر. لیکن جب میرے پاس گاڑی ہے ہی نہیں تو سیکھنے کی کیا ضرورت. زاویار نے اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

تو کیا ہوا اگر گاڑی نہیں ہے، یہ اسکل تو سب کو آنی چاہیے۔

زاویار ک واحمر نے کافی بار ڈرائیونگ سیکھنے کا کہا تھا مگر ہر بار وہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ مجھے

کوئی انٹرسٹ نہیں. آج احمر کے بہت زیادہ سمجھانے پر اس نے جیسے ہار مان لی تھی اور وہ کافی دیر کی ضد بحث کے بعد گاڑی سیکھنے پر راضی ہو گیا۔

یہ ہوئی نا میرے بھائی والی بات. احمر نے زاویار کے کندھے پر ایک زوردار تھپکی دی۔

تو آپ کی ٹریننگ آج سے ہی شروع کی جاتی ہے. احمر جلدی سے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا. زاویار بھی اسی کے ساتھ اٹھ گیا. وہ دونوں تیزی سے کیفے سے باہر آ گئے۔ احمر نے جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور

زاویار کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ گاڑی میں بیٹھ گیا.

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

احمر بھی گاڑی میں بیٹھا اور چابی زاویار کی طرف بڑھا دی۔

زاویار نے اگنیشن میں چابی گھمائی تو اگلے ہی لمحے گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ *****

****

اس نے گاڑی چلانا شروع کی تو احمر نے اسے سمجھانا

شروع کر دیا. اسٹیئرنگ ویل کو اس نے آہستہ آہستہ گھمایا اور گلی کا موڑ کاٹا۔

ویری گڈ! احمر نے اسے شاباشی دیتے ہوئے کہا۔

دس منٹ تک اس نے گاڑی بہت آہستہ چلائی پھر اس نے سپیڈ آہستہ آہستہ بڑھانی شروع کی۔

اوہ...اوہ..یہ کیا کر رہا ہے؟گاڑی کی اسپیڈ اب کافی تیز ہو گئی تھی تو احمر کافی خوف زدہ ہو گیا۔

سپیڈ کم کر یار، سپیڈ کم کر. احمر جلدی سے بولا۔ نہیں ہو رہی. وہ گھبرایا تھا۔۔

اوئے میں اتنی جلدی مرنا نہیں چاہتا،ابھی تو شادی بھی نہیں ہوئی میری۔

اوہ گاڈ!!زاوی گاڑی سائیڈ پر لگالے یہ نہ ہو کہ کوئی گاڑی کے نیچے آجائے یا ہماری گاڑی کسی کے نیچے آجائے۔

اس کے چہرے کے اڑتے رنگ دیکھ کر زاویار کی ہنسی نکلی۔

اگلے ہی لمحے میں اس نے گاڑی روکی اور اسے شرارت بھری نظروں سے دیکھا۔

ڈرپوک، بزدل۔۔۔۔۔اس کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ آئی۔

تجھے گاڑی چلانا آتی ہے اور تو نے مجھے اتنے ٹائم تک پاگل بنایا..وہ خفا ہوتے ہوئے بولا۔کوئٹہ میں گاڑی تھی تو چلا لیتا تھا، یہاں ضرورت ہی پیش نہیں آئی. وہ کندھے اچکا

کے بولا۔

خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہاں جانا پسند کرو گے اس ڈرائیو رامم.. سمندر پر چلیں؟احمر نے سوچتے ہوئے کہا۔

چلو وہیں چلتے ہیں. زاویار نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا اور گاڑی زن سے بھگاتا ہوا لے گیا۔*********

ملک صاحب آج اپنے محل کے کمرے میں آرام فرما رہے تھے. ان کا آج آفس جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا. ان کی نظریں سامنے چلتے ہوئے ٹی وی پر ٹکی ہوئی تھیں مگر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے. وہ کئی لمحے اسکرین پر چلتی ہوئی خبروں کو دیکھتے رہے مگر ان کا ذہن تو کہیں اور الجھا ہوا تھا. انھوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑا. ان کا ذہن آہستہ آہستہ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔

زرینہ بی!!انھوں نے کانپتی ہوئی آواز سے زرینہ بی کو پکارا اور زرینہ بی تو ویسے ہی ہر لمحے ملک صاحب

کے آگے پیچھے گھوم گھوم کے ان کی خدمتیں کرتی پوری ہو گئی تھیں۔

زرینہ بی جلدی سے کمرے میں آئیں اور بیڈ کے برابر میں ٹیبل پر پڑی چابیاں اٹھائیں اور جلدی سے الماری کا دروازہ کھول کر ان کی دوائی کا ڈبہ نکالا۔

ملک صاحب کی حالت کافی غیر ہو رہی تھی مگر زرینہ

بی بھی کام کی پکی لگ تی تھیں. انھوں نے ٹیبلیٹ نکالی اور ان کے ہاتھ میں تھما دی پھر تیزی سے پانی کا گلاس بھر کر ان کے منہ سے لگا دیا. کچھ ہی دیر میں وہ بلکل نارمل ہو گئے تھے۔********

کافی دیر گاڑی میں یہاں وہاں گھومنے کے بعد ڈرائیونگ پوزیشن علایا نے سنبھال لی تھی

آگے کا کیا پلان ہے علایا؟ایمن جو کافی دیر سے ونڈو اسکرین کے باہر دیکھ رہی تھی یکدم ہی کچھ یاد آنے پر علایا سے پوچھا۔

تمہیں پتہ ہے نا کہ میں پلیننگ نہیں کرتی. وہ برا سا منہ.

بنا کے بولی۔

کی اسپیڈ پر چلایا ہوا تھا. اپنے لمبے کھلے بالوں کو اس نے اب اونچے ۶۰ گاڑی کو اس نے

اور ڈھیلے سے جوڑے میں باندھ لیا اور ایک لمبی لٹ جو سائیڈ کی مانگ سے اس کے چہرے کے بوسے لے رہی تھی. سردی سے اس کی

ناک اور چہرہ گلابی پڑ رہا تھا جس سے اس کی کشش میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

مگر علایا مجھے لگتا ہے کہ پلیننگ سے چلنے والے اپنے مقصد میں جلدی کامیاب ہوتے ہیں. اس نے یونہی علایا کو دیکھتے ہوئے کہا جس کا دھیان صرف گاڑی چلانے پر مجھے لگتا ہے کہ "مرکوز تھا۔

"پلیننگ سے چلنے والے اچانک فیصلے کرنے سے ڈر جاتے ہیں. ہر وقت پلیننگ کرنے والے کبھی ڈسیجن ٹیکر نہیں بن پاتے۔"

اس نے اس انداز میں کہا کہ ایمن چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

گاڑی کے شیشے بند تھے مگر پھر بھی سردی نے اپنے ہونے کا پورا احساس دلایا ہوا تھا۔

تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟ کچھ لمحوں کی خاموشی کہ بعد ایمن نے پھر وہی بات پوچھنا چاہی۔

بات کا مقصد وہی تھا بس لفظ بدل گئے تھے۔ کس بارے میں؟

اس خواب کے بارے میں جو تم نے مجھے سنایا تھا. یاد ہے نا تمہیں وہ خواب؟

علایا نے پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھا پھر گردن سیدھی کرتے ہوئے ایک گہری آہ بھری۔

حسین گلابی چہرے پر یکدم ہی مایوسی چھائی تو گاڑی کے شیشے پر بھی ہلکی ہلکی دھند چھانے لگی. یکدم ہی دل بوجھل سا ہو گیا. کچھ لمحے تو وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

یاد ہے.. میں کیسے بھول سکتی ہوں؟ وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کی گاڑی کلفٹن کے اس چوڑے روڈ پر چل رہی تھی جہاں سے سمندر واضح نظر آتا تھا۔

ہم کافی ٹائم بعد یہاں ساتھ آئے ہیں. ایمن نے اپنی طرف کی ونڈو اسکرین سے دور سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے

کہا۔

علایا نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے موت کو بلکل اپنی آنکھوں کے *******سامنے محسوس کیا تھا. دہشت سے اس کی سانسیں اس کے حلق میں اٹک گئ تھیں. وہ شش وپنج میں مبتلا تھا نہ سانس لے پاتا تھا، نہ جان نکل پاتی تھی. خوف کے مارے اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی ہو گئ تھیں. وہ چلانا چاہتا

تھا....وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا....وہ مرنا نہیں چاہتا تھا...وہ مرنا نہیں چاہتا تھا...وہ ابھی اور جینا چاہتا تھا۔

کمرے میں نیم تاریکی کے بعد بھی وہ اس شخص کو اچھی طرح پہچانتا تھا کہ وہ کون تھا؟ وہ اس سے ملنے کیوں آتا تھا؟ وہ اس سے کیا چاہتا تھا؟

"دو لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا ایک وہ دنیا میں انسا نجس نے آپ کو حد سے بڑھ کر اذیت دی ہو اور دوسرا وہ جس سے آپ نے سب سے زیادہ محبت کی ہو۔"

تم زندگی سے کیوں گھبراتے ہو؟ اس کے کانوں میں دور سے اس کی آواز آئ تھی۔

زندگی خواب دکھاتی ہے...اس کے دل سے یہ آواز آئ البتہ لفظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہوئے تھے۔

تو پھر موت سے کیوں ڈرتے ہو؟یوں لگتا تھا کہ اس نے اس کا جواب سن لیا اور اس نے اپنی سرخ پڑتی آنکھوں سے اب اگلا سوال پوچھا تھا۔

موت سے سب ڈرتے ہیں...وہ خوف اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات سے بولا۔

ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری ہوئی تھی۔

موت سے وہ ڈرتے ہیں جو گناہ کرتے ہیں...تم نے گناہ کیا ہے..جس کے لئے میں تمہیں قیامت تک معاف نہیں کروں گا..وہ زور سے دھاڑا تھا۔

میں نے کوئی گناہ نہیں کیا...میں نے تمہیں نہیں مارا...

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں نے تمہیں نہیں مارا...اس کی آواز میں بے بسی تھی...

اگلے ہی لمحوں میں وہ سایہ دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

* * * * * * *

علایا جو گاڑی میں بیٹھی گاڑی آہستہ آہستہ چلا رہی تھی،ذرا سا آگے اسے پارکنگ نظر آ گئی۔اس نے تیزی سے گاڑی اپنی منزل کی جانب بڑھائی تھی کہ اچانک ایک بی ایم

ڈبلیو نے اس خالی جگہ پر اپنا وار کیا. علایا کے تو تن بدن میں آگ لگ گئ..اس نے گاڑی میں بیٹھے ہی تیز تیز ہارن دینا شروع کیا۔

گاڑی میں بیٹھے لڑکے کافی ہوشیار تھے. علایا کے لاکھ ہارن دینے کے بعد بھی وہ دونوں گاڑی سے باہر آ گئے۔زاویار نے ذرا اسٹائل سے اپنے بالوں میں فنگر کامب کیا.

اس نے موٹی جینز کے ساتھ کالے رنگ کی شرٹ پہنی تھی جس پر براؤن رنگ کی جیکٹ پہنی تھی. گہری بھوری جھیل سی آنکھوں میں کچھ تھا جو کوئ پڑھ ہی نہیں پاتا تھا. وہ ہینڈسم تھا مگر علایا کی طرح اپنی خوبصورتی پر غرور نہیں کرتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور ویسے بھی جن باتوں پر انسان کا اختیار نہ ہو ان

"باتوں پر غرور کیا کرنا؟

وہ تو ہمیشہ سے ہی ایسا تھا..پہلی نظر میں بھا جانے والا خوبصورت مرد..ناجانے علایا اس سے کیوں چڑتی تھی؟

احمر کو تو شک تھا کہ علایا زاویار کی خوبصورتی سے بھی جلتی ہے. اس نے یہ بات زاویار کے کان میں بھی ڈال دی تھی جو اسے بڑی بھلی معلوم ہوئ تھی...اور اسے احمر کی

عقلمندی پر خاصی حیرانی بھی ہوئی تھی. احمر اور عقلمند؟؟ ہونہہ.. خیر چھوڑو... زاویار کے گاڑی سے نکلتے ہی ایک دلکش مہک ہوا میں تحلیل ہوئی تھی۔۔۔اس

نے سمندر کی ٹھنڈی ٹھار ہوا اپنے اندر کھینچی تو دھیمی دھیمی مہک بھی نتھنوں سے ٹکرا گئی۔

احمر بھی اس کے ساتھ کھڑا کافی پیار الگ رہا تھا. بال جیل سے پیچھے کئے.. جیکٹ میں ہاتھ ڈالے وہ گھوم کر

اس کی طرف آیا. وہ گاڑی لاک کر کے پلٹا تو احمر اور وہ پیدل چلنے لگے. ہارن کی آواز تو انھوں نے ان سنی کر دی تھی۔

چونکہ سردیوں میں سمندر پر کم ہی لوگ آتے ہیں اس لئے زیادہ لوگ نظر نہیں آتے تھے... یہ لوگ ابھی سمندر سے اوپر روڈ پر تھے لیکن اوپر ہونے باعث یہاں سے سمندر کا نظارہ بڑی آسانی سے کیا جا سکتا تھا.. روڈ پر بنی منڈیر پر کچھ کپلز بھی بیٹھے نظر آ رہے تھے.. جو اپنی باتوں میں مشغول تھے۔۔

نیچے سمندر جب پتھروں سے سر پیٹتا تو پانی ہوا کے ساتھ اچھل کر منڈیر تک آتا تھا۔

وہ دونوں قدم قدم بڑھاتے ہوئے سہانے موسم کا مزہ لے رہے تھے۔

علایا اور ایمن ان دونوں کو اچھی طرح پہچان گئی تھیں ہاں مگر ان دونوں نے انھیں نہیں دیکھا تھا۔

علایا کا دماغ زاویار کی شکل دیکھتے ہی خراب ہوا تھا یا اسے پھر کوئی نیا دورہ پڑا تھا... ایمن نے اس کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اگلے ہی لمحوں میں ایمن نے علایا کو گاڑی سے باہر جاتے دیکھا تو وہ بھی فوراً ہی باہر آ گئی۔

شام کا گہرا منظر تھا.. مغرب ہونے میں ابھی تقریباً آدھا گھنٹا باقی تھا. مگر چونکہ موسم کالے بادلوں کے زیرِ اثر تھا تو اس لئے انھیں مغرب کا منظر ہی لگ رہا تھا. سورج بھی بادلوں کے پیچھے چھپا انھیں دیکھ رہا تھا۔۔زاویار۔۔۔!!

اس نے اتنی زور سے آواز لگائی تھی کہ اتنے شور میں بھی زاویار کے کانوں سے اس کی آواز ٹکرائی تھی۔اسے یہ محض ایک وہم لگا تھا... سمندر پر آتے ہی عجیب سے خیال نے اسے جکڑا.. بھلا علایا اس کا نام سمندر پر آ کر کیوں پکارنے لگی؟؟اس نے اپنا سر جھٹکا۔

احمر مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ علایا کہیں آس پاس

ہے....زاویار نے تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے احمر سے کہا۔تجھے ڈر لگتا ہے نا اس

سے؟؟احمر نے فوراًاسے چھیڑا تھا.اس کی آنکھوں میں شرارت اتر آئی تھی..ویسے

لوگوں "کسی کی محبت میں گرفتار ہو جانے کا ڈر" کو فائیلو فوبیا ہوتا ہے،"اکیلے رہ جانے

کا ڈر" ہوتا ہے یا اوٹو فوبیا مجھے لگتا ہے تجھے علایا فوبیا ہو گیا ہے..اس نے کسی شیطان بچے

کی طرح مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر شرارت بھری تھپکی دی۔

میں اس سے ڈرتا نہیں ہوں..بس وہ بے ادب ہے میں اس کا ادب کرتا ہوں۔زاویار

نے فوراًاسے ٹوکا تھا۔

زاویار اسے کئی بار یہ بات بتا چکا تھا مگر احمر اسے علایا کے نام سے ہی چھیڑتا تھا اور سب

سے خاص بات جو احمر نے زاویار کو نوٹ کروائی تھی وہ یہ کہ علایا کی آنکھیں زاویار

سکندر سے ملتی ہیں۔۔۔اور یہی نہیں پوری کلاس میں احمر نے یہ بات مشہور کر دی

تھی۔۔۔زاویار!!

ایک بار پھر وہی آواز اس کے کان سے ٹکرائی تھی اور اب یہ آواز کافی قریب تھی اتنی

کہ احمر پلٹے بغیر نہ رہ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سکا.اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں.زاویار بھی پلٹا تو وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

سمندر کے نیلے پانی سے ہوتی ہوئی تیز ہوا ان سے ٹکرائی تو انھیں جیسے سردی کا احساس ہوا۔۔

اب وہ چاروں ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔

علایا نے اپنی بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر زاویار کو دیکھا.وہ نارمل لگ رہی تھی مگر علایا جانتی تھی کہ وہ نارمل نہیں تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زاویار کو وہ ایک معصوم سی شہزادی لگی تھی..لال رنگ کا لانگ کوٹ اس پر کافی پیارا لگ رہا..لیکن اسے فوراً ہی یاد آیا تھا کہ علایا شہزادی تو ہے مگر معصوم نہیں ہے۔۔

احمر کو تو وہ کوئی شیطان معلوم ہوئی تھی۔

Think about devil and devil is here.

"شیطان کا نام لیا اور شیطان حاضر۔"

احمر اپنی پیاری سی چھوٹی سی آنکھوں کو گول گھماتے ہوئے بڑبڑایا..جس کی آواز زاویار

کے کانوں تک آرام سے پہنچی تھی۔

زاویار سکندر!! کیا تم نے قسم کھا رکھی ہے ہر اس جگہ قبضہ کرنے کی جس پر میری نظر ہوتی ہے؟ علایا نے اپنے ہاتھوں کو سینے پر بل دیتے ہوئے پوچھا۔اب وہ اسے شہزادی بھی نہیں لگی تھی..وہ تو وہی

کامپلیکسڈ سی لڑکی تھی جس پر صرف ترس ہی کھایا جا سکتا ہے۔پھر وہ کیوں اس سے امید لگاتا تھا؟

زاویار کے لبوں پر بلاوجہ کی مسکراہٹ امڈ آئی.اس نے ایک نظر احمر کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

لگتا ہے یہ ابھی تک اس فیز سے باہر نہیں آئی ہے.احمر اس کے اس جملے پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

علایا کے تو جیسے احمر کی ہنسی سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی۔

وہ لوگ آس پاس کے گزرتے ہوئے لوگوں سے بلکل بے نیاز ہو گئے تھے۔

ایمن!! ملک صاحب سے کہہ کر اس کا علاج کراؤ.ایسا نہ ہو کہ یہ ڈپریشن کی مریضہ بن

جائے.احمر جلتے میں تیل ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

فضول بکواس بند کرواور گاڑی ہٹاؤ یہاں سے..ورنہ اینٹ مار کے تمہاری گاڑی کے سارے شیشے توڑدوں گی...

پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ڈپریشن کی اصل مریضہ کیسی ہوتی ہے..وہ خونخوار لہجے میں بولی۔

سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں میں یکدم ہی ماحول کافی گرم ہو گیا تھا۔

علایا!!ایمن نے اس کے بھڑکتے ہوئے غصے کو کم کرنا چاہا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اونہوں..تم چپ رہو..علایا نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکا۔

زاویار کے ماتھے پر بل پڑے تھے...وہ چھوٹی چھوٹی آنکھیں کے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"پہلی بات علایا، یہ جگہ آپ کی ملکیت نہیں، دوسری بات کوئی جگہ صرف دیکھنے سے آپ کی نہیں ہو جاتی، اسے حاصل کرنا پڑتا ہے۔"

زاویار نے اسی کے لہجے میں اسے جواب دیا تھا۔ملک صاحب کی بیٹی علایا ملک سے زاویار کی ہمت بھی کیسے ہو سکتی تھی بھلا ایسے بات کرنے کی؟ کیا یہ ملک صاحب سے ڈرتا

نہیں؟ایمن عجیب خیالوں میں کھو گئ۔

علایا، جس نے بلاوجہ معمولی سی بات پر یہ ہنگامہ مچایاہوا تھا،زاویار کے اس جواب نے اس کے غصے کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ہوادی تھی۔

عجیب...اسے شاید زاویار سے لڑنے میں مزہ آتا ہے...

احمر نے سوچا تھا...بولنے کی ہمت کہاں تھی۔۔

آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ بھی رک کر انھیں دیکھ لیتے مگر علایا کہاں کسی کو دیکھنے والی تھی۔۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگر پہلا قتل معاف ہوتا تو تم سب سے پہلے میرے ہاتھ سے قتل ہوتے.وہ چبا چبا کر بولی۔

علایا عجیب وحشی بن گئ تھی۔۔۔انٹر سٹنگ...تم امیروں کے ہاتھوں میں ہم غریبوں کی گردن ہی تو آتی ہے.وہ مسکرایا تھا۔

تم میرے دوست کو.....دھمکی دے رہی ہو۔۔۔

احمر ڈرتے ڈرتے بولا...چند لمحے پہلے زاویار کو علایا فوبیا سے متعارف کرانے والا خود

اس بیماری میں مبتلا تھا۔

دھمکی نہیں دے رہی، وارننگ دے رہی ہوں..اس نے انگلی سے زاویار کو تنبیہہ کی۔

علایاملک سے ٹکرانے سے پہلے ایک بار اپنی حیثیت پر ضرور نظر ڈال لینا کہ تم میرا سامنا کر بھی پاؤ گے یا نہیں..اس نے سر سے پاؤں تک زاویار کو دیکھا۔زاویار سکندر کے ماتھے پر پڑے بل مزید گہرے ہوئے،اس کی رگیں تن گئی تھیں.اپنی دونوں مٹھیوں کو اس نے سختی سے بینچا ہوا تھا۔

جس دولت کے غرور میں تم مجھے دھمکیاں دے رہی ہو نا..اسے سنبھال کر اپنے پاس رکھو...پھر آہستہ سے اس کے قریب ہوا..یہ تمہارے برے وقتوں میں کام آئے گی۔ایک طنز بھری مسکراہٹ سے اس کے چہرے کو دیکھا اور فوراً ہی وہاں سے احمر کے ساتھ پلٹ گیا.وہ اگر گہرے سمندر کا طوفان تھی تو وہ بھی اس طوفان کے

مخالف سفر کرنے والا ہلسا مچھلی بن گیا تھا.وہ بھلا کون تھا علایا کو نصیحت کرنے والا؟؟

خیر جو بھی تھا مگر یہ تو طے ہو گیا تھا کہ وہ علایاملک

کی کسی دھمکی سے ڈرنے والا نہیں تھا۔

جاری ہے

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین